واصل کشمیری حیات اور شاعری

تحقیق و نگارش
م. م. مسعودی
دانشکدۂ فارسی کشمیر یونیورسٹی

گل ز رویت بچمن چاک گریبان دارد — سنبل آشفتگی از زلف پریشان دارد
تا شدی انجمن آرای گلستان کشمیر — بتماشای رخت دیدۂ حیران دارد

افغان عہد کے غزل گو فارسی شعرا میں واصل کا شمار صفِ اوّل کے شعرا میں ہونا چاہیئے۔ کشمیر کے بہت سارے دوسرے شعرا کی طرح واصل بھی اب تک پردۂ اخفا میں رہا لیکن ادبی تحقیق اور جستجو سے ہمیں واصل کی غزلیات کا دیوان ڈھونڈ نکالنے میں جو کامیابی حاصل ہوئی اس کی مدد سے شاعر کی حیات اور کارناموں پر ایک گونہ تعارف ممکن ہو سکا ہے۔ شاعر کا پورا نام محمد واصل خان تھا اور واصل تخلص بھی کرتا تھا واصل کی تاریخ پیدائش سے متعلق ابھی تک ہماری معلومات ناقص ہیں البتہ معاصر تذکرہ نگار بھگوان داس ہندی نے اپنے تذکرہ "سفینۂ ہندی" میں لکھا ہے کہ واصل نے ۱۲۱۶ھ میں وفات پائی۔[1] اور لکھنو میں ایک مشہور و معروف شخصیت میر خلیل کی قبر کے قریب مدفون ہوا۔[2] واصل کی تاریخ وفات میں بھی خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ سید علی خان نے اپنے تذکرہ "صبح گلشن" میں واصل کی تاریخ وفات ۱۲۰۷ھ بیان کی ہے۔[3] اور لکھا ہے کہ وفات کے وقت واصل کی عمر بیاسی سال کی تھی۔ "سفینۂ ہندی" کی مذکورہ تاریخ ۱۲۱۶ھ ہجری کے مطابق وفات کے وقت اس کی عمر اکیانوے (۹۱) سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ دونوں تذکروں میں دی ہوئی تاریخ وفات میں نو سال کا فرق پایا جاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے واصل کی تاریخ

Scanned by CamScanner

پیدائش یا تو ۱۱۳۰ھ ہوگی یا پھر ۱۱۲۶ھ ہو سکتی ہے۔ اور اس صورت میں افغانوں کے کشمیر پر تسلط ۱۱۶۶ھ کے وقت واصلؔ چالیس سال سے زاید عمر کا تھا۔ ہماری رائے میں "سفینۂ ہندی" میں مذکورہ تاریخ وفات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ از روی تحقیق یہ ہے کہ واصل اور "سفینۂ ہندی" کے مؤلف بھگوان داسؔ نہ صرف ہمعصر تھے بلکہ واصلؔ کے لکھنو میں قیام کے بعد ان کے مراسم آپس میں اس قدر بڑھ گئے تھے کہ جا بین میں آخری وقت تک گہرے مراسم کے ساتھ ساتھ روزانہ کی ملاقاتیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ "سفینۂ ہندی" میں اس طرف واضح اشارہ ملتا ہے مؤلف نے لکھا ہے:—

"محمد خان واصلؔ تخلص، بن عابد حسن خان بن عبد الکریم خان نسبتش براجہ کول کہ از اولاد نوشیروان عادل بود[4]۔ میر سید موطنش کشمیر و خود ش ہمانجا تولد و نشو و نما یافتہ چون والدش بہ بہشت برین واصل شد و جاگیر موروثی او تغیر گشت از وطن دل برداشتہ در عہد محمد شاہ پادشاہ (از ۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۱ھ) بدہلی آمد و بہ خان دوران خان امیر الامرا پیوستہ سند بحالی جاگیر از حضور حاصل کردہ بوطن رفت بار دوم عازم دہلی شد[5]، بوساطت امیر الامراء مسطور، شرف ملازمت فردوس و در عہد احمد شاہ پادشاہ (۱۱۶۱ — ۱۱۶۷ھ) بن فردوس آرامگاہ بہ کوکای پادشاہ شرف از دواج کردہ یکی از مقربان درگاہ گشت چون دہلی مورد فتنہ و فساد گشت، بہ جے نگر شتافت و با راجہ جے سنگھ پسر راجہ بیجے سنگھ پیوستہ، بہ عزت و وقار بسر می برد، آخر از آنجا دل برداشتہ بعظیم آباد شتافت و بہ احمد علی خان ناظم آنجا ملاقی شدہ مصاحبت حاصل کردہ، بعد فوت او وارد لکھنو گشت۔

نواب مدار الدولہ بہادر را او را براقم سپردند۔ راقم بشرف ملازمت مہاراج ادھیراج تراندر مہاراجہ تکیت رائے بہادر رسانیده[6] "مہاراج نامہ" گوئی ممتاز گردانید۔ در شعر و سخن شاگرد میرزا گرامی بود، بسیار آرمیده مزاج و خوشگو و بذلہ سنج و معنی یاب بوده، تا بود با راقم ہر روز ملاقات می نمود، در سنہ یکہزار و دو صد و شانزده (۱۲۱۶ھ) واصلؔ بہشت

گردیدو در تکیہ میر خلیل مدفون گشت از وست"۔

ای مہ اکہ بر رخت خط مشکین نموز نیست
روشن بُوَدْ، در آتش خورشید دود نیست
داد ند سنو بہر ہما، دولت نیاز
در سر نوشت ما، چو نگین جز سجود نیست
خورشید و ماہتاب بہر خانہ می رسند
ای مہ اترا بمنزل ما چون ورود نیست

از گریہ حیرت دل بیتاب روشن است
مافی الضمیر آئینہ از آب روشن است ۵

"سفینہ ہندی" کے اس بیان سے یہ بات بھی وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ واصل کی تعلیم و تربیت کشمیر میں ہی ہوئی تھی اور اس کا تعلق اعلیٰ علمی اور نسبی طور پر شاہی گھرانے سے تھا۔ راجہ کول کا نوشیروان عادل کی اولاد سے ہونا اور واصل خان بن عابد حسن خان بن عبدالکریم خان کے قدیم ایرانی شاہی خاندان نوشیروان عادل سے نسبی تعلق کے سلسلے میں ہماری معلومات کا انحصار صرف بھگوان داس کے بیان پر ہے۔ چنانچہ اس کی تصدیق و تردید میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ واصل کے والد عابد حسن خان کی وفات کے بعد جب اس کی موروثی جاگیر کسی بنا پر اسکے ہاتھ سے چلے گئی تو وہ وطن (کشمیر) سے دل برداشتہ ہو کر مغل بادشاہ محمد شاہ ۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۱ھ کے عہد میں دہلی چلا گیا۔ اور مغلیہ دیوان امیرالامراء خان دوران خان کی وساطت سے اپنی موروثی جاگیر استنادی طور پر دوبارہ حاصل کر کے کشمیر واپس چلا آیا۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد دوبارہ عازم دہلی ہوا اور مغل بادشاہ محمد شاہ کی ملازمت اختیار کر لی اور بہت کم وقت میں محمد شاہی دربار میں خاصی عزت

Scanned by CamScanner

حاصل کرلی۔ ۱۱۶۱ھ میں محمد شاہ کی وفات کے بعد احمد شاہ (۱۱۶۱ھ-۱۱۶۷ھ) کے دربار سے بدستور منسلک رہا۔ اور اسقدر جاہ وعزت پیدا کرلی کہ ایک شاہی کوکہ سے واصل کی شادی بھی ہوئی اور وہ اس طرح سے احمد شاہ کے مقربین میں شامل ہوگیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز، سکھ، مرہٹے، راجپوت اور افغانوں کی نظر میں پایہ تخت دہلی پر لگی ہوئی تھیں اور مسلسل کسی نہ کسی گوشہ وکنار سے فتنہ وفساد جنگ کی صورت میں نمودار ہوتا تھا۔ جب یہ فسادات دہلی میں گھر کرنے لگے اور مغل شہنشاہیت متزلزل ہونے لگی تو واصل اسی بار پھر وطن لوٹ آیا، کشمیر میں یہ زمانہ افغان ناظم سکھ جیون مل کے عروج کا زمانہ تھا۔ واصل بھی ملک الشعرا ملا محمد توفیق کے توسط سے سکھ جیون مل کی "انجمن شعرای فارسی" میں شامل ہوگیا لیکن چھ سات سال کے ہی عرصہ میں جب اس مجلس کا شیرازہ بکھر گیا تو واصل تیسری بار ترک وطن کر کے سیاسی انتشار کے باعث دہلی کے بجائے جے نگر کے راجہ مادھو سنگھ سے وابستہ ہوگیا۔ اور پوری عزت ووقار کے ساتھ کچھ عرصہ یہاں بسر کیا، لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں یہاں سے بھی دل برداشتہ ہوکر اتر پردیش میں عظیم آباد چلا آیا اور وہاں کے ناظم نواب احمد علی خان سے وابستہ ہوا، نواب احمد علی خان بھی جب راہی راہ بقا ہوا تو واصل عظیم آباد سے لکھنؤ چلا گیا۔ اور وہاں نواب مدار الدولہ بہادر سے باریاب ہوا۔ مؤلف "سفینہ ہندی" لکھتا ہے کہ "نواب مدار الدولہ بہادر نے واصل کو میرے سپرد کیا اور میں نے اسے مدار الدولہ بہادر کے دیوان ادھیر راج نرپندر راج اور راجہ تکیت رائے بہادر تک اس کی رہنمائی کر کے اسے انکے ملازمین خاص میں شامل کیا۔ اور منظوم "مہاراج نامہ" کا کام انکے سپرد کیا گیا، چونکہ آصف الدولہ (مذکورہ مدار الدولہ) کے دیوان راجہ تکیت رائے بہادر کو خیانت کے جرم میں معتوب ومعزول کیا گیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ واصل دیوان تکیت رائے بہادر کی معزولی کے وقت بقید حیات تھا[۵] اس طرح "صبح گلشن" میں واصل کی تاریخ وفات غلط ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے غالب گمان بمطابق "سفینہ ہندی" یہ ہے کہ واصل ۱۲۱۶ھ میں فوت ہوا ہوگا۔

Scanned by CamScanner

اوراس لحاظ سے وفات کے وقت اسکی عمر اکیانوے سال تک پہنچی ہے اور اس بات کو اگر صحیح تصور کر لیا جائے تو واصلؔ کی تاریخ پیدائش ۱۱۲۵ھ ہے۔ مذکورہ دیوان تکیت رائے سے وابستہ رہ کر شاعر نے مثنوی "مہاراج نامہ" لکھی جس سے واصلؔ کی بڑی شہرت ہوئی۔ واصل کی یہ تاریخی مثنوی "مہاراج نامہ" ابھی تک دستیاب نہیں ہو پائی ہے۔

شاعری میں واصلؔ مرزا عبدالغنی بیگ قبول کشمیری کے بیٹے مرزا گرامی کشمیری کے تلامذہ باامتیاز میں سے تھا اور نہایت سنجیدہ مزاج، خوشگو، بذلہ سنج اور معنی یاب شاعر تھا۔ "صبح گلشن" کے مؤلف سید حسن علی خان نے لکھا ہے کہ:۔

"محمد واصلؔ خان واصل کشمیری مشق سخن از مرزا گرامی کردہ در ستہ سبع مائۃ ثالث عشرہ (۱۲۰۷ھ) بعمر ہشتاد و دو سال در شہر لکھنو جان بجان آفرین سپرد"۹ اور اس کے ساتھ محمد واصلؔ خان کے یہ دو شعر نقل کیے ہیں ؎

چون بمن نامۂ آن روشنے دیدہ رسید
شد روان قاصد اشکم کہ جوابش ببرد

آنکہ یکدم شب ہجران تو، آسودہ نخفت
سر تہد بردم شمشیر کہ آبش ببرد[۱۰]

مذکورہ تذکرہ میں اسی مقام پر ایک دوسرے واصلؔ کا بھی تذکرہ ملتا ہے اور وہ اس طرح ہے:۔[۱۱]

"واصلؔ از سنجیدہ طبعان کشمیر بود و عمر عزیز در پی وصول مطلوب بہ دہلی بسر نمود" اور یہ اسکے بعد واصلؔ کا صرف یہ ایک شعر درج ہے ؎

داد نہ سر بمہر بما دولت نیاز
در سر نوشت ما چون نگین جز سجود نیست[۱۲]

تذکرہ صبح گلشن کے ایک ہی مقام پر ان دو الگ الگ حوالوں اور بیانات

سے بعد کے تذکرہ نگاروں کو یہ اشتباہ ہوا ہے کہ واصل نام و تخلص کے دو شاعر گذرے ہیں اور مختلف اوقات میں واصل کے تقل مکان کی وجہ سے اس نام کے دو شاعر بعد کے تذکروں میں وجود میں آگئے جبکہ ایسا نہیں ہے، ماقبل ادوار سے اس عہد کے اختتام تک واصل نام و تخلص کا صرف ایک ہی شاعر گذرا ہے جسکا ذکر "سفینہ ہندی" میں بہ تفصیل ہوا ہے اور "صبح گلشن" کے دو الگ الگ بیانات میں واصل سے وابستہ خاص اشارات مشترکہ اور یکسان ہیں۔ جو اس بات کی قوی دلیل ہے کہ فاضل تذکرہ نویس سے اشتباہ ہوا ہے۔ اور تذکرہ نگاری کی رو میں یہ بات قلمبند ہوئی ہے اور اسی طرح واصل کی تاریخ وفات میں بھی اشتباہ ہوا ہے اس تذکرہ کے دونوں بیانات میں جو مترادفات اور اشتراکی اشارے موجود ہیں وہ اس طرح ہیں:۔

"صبح گلشن" کے واصل سے متعلق پہلے بیان میں، محمد واصل خان واصل کشمیری اور دوسرے میں صرف "واصل" پہلے بیان میں "مشق سخن از مرزا گرامی کردہ" دوسرے میں "از سنجیدہ طبعان کشمیر بود"۔ پہلے میں "در شہر لکھنو جان بجان آفرین سپرد" دوسرے میں عمر عزیز در پی وصول مطلوب بدہلی بسر نمود"

الفاظ کے اختلافات سے قطع نظر معانی میں دونوں کا متن یکسان ہے جس سے یہ بات یقین کی حد تک قابل باور ہے کہ واصل نام کے دو نہیں بلکہ ایک ہی شاعر تھا۔ اور اس ضمن میں تیسری دلیل یہ ہے کہ "صبح گلشن" کے دونوں حوالوں میں درج واصل کے اشعار اور "سفینہ ہندی" میں نقل واصل کے اشعار بعینہ واصل کشمیری کے دیوان میں موجود ہیں۔

اس سلسلے میں ایک اور بعد کے تذکرہ نگار محمد اصلح میرزا کا مبہم سا بیان بھی ملاحظہ کریں:۔

"واصل یکی از واصلان درگاہ حضرت سخن است، ہمیشہ بوصل شاہد معنی یابی شاد کام بود۔ از وست ؎

چون گرم غضب گشت، عرق کرد جنبش
در تابش خور، ریزش باران چه نمک داشت

×

ندارم باکی، از موج خطر با دوست پیوستم
غریق آب حیوان را غم مردن نمی باشد

×

چون بمن، نامۂ آن روشنئ دیدہ رسید
شد روان قاصد اشکم، کہ جوابش ببرد

×

آنکہ شب ہجران تو، آسودہ نخفت
سر نہد بر دم شمشیر، کہ آبش ببرد

اس سلسلے میں خود واصل کی اس غزل سے بھی اس کے نقل مکانی کا اثبات ہوتا ہے جس سے دو۔ دو۔ واصل وجود میں آئے۔ یہ غزل واصل نے وطن کی یاد میں کہی ہے ملاحظہ ہو ؎

پنہان کسی چگونہ کند آشکار خویش
شرمندہ رو شدیم ز لیل و نہار خویش

خطت رسید دل بسر خاک و خون طپید
کردی رقم چو نامہ بخط غبار خویش

ای باغبان ز جور تو این عندلیب من
بست است آشیان بسر شاخسار خویش

ﮥ

Scanned by CamScanner

چون آفتاب کشورِ دلہا گرفتہ ام
بیرون نرفتہ ام قدمی از حصار خویش

چشم ترا کہ گفت نگاہ جفا مکن
خود منفعل شدست ز ترک شعار خویش

خون دلم ز بسکہ بیفشاندہ چشم من
شرمندہ ام ز تشنہ زبانی یار خویش

چون آفتاب گامزنے راہ غربتم
ہر صبح و شام کردہ سوادِ دیار خویش

خواہم کہ دیدہ وا نکنم باز بر رخت
بدنام سخت گشتہ ام از چشم زار خویش

ابروست این ہلال کہ عشاق راز دور
بنمود آفتاب رخت از کنار خویش

آن آفتاب جلوہ افروز محبتم
ہر صبح سر کشم ز پس کوہسار خویش

از خود جدا نۂ و نخواہی شدن ز یار
واصل ندانم از چہ شدی در انتظار خویش

٭

واصل کشمیری کے احوال و کوایف سے متعلق مرزا گرامی کے ساتھ ان کی شاگردی کے سلسلے سے بھی ان کے زمانے کے حالات اور ان کی شاعری کے بارے میں بہت سارے حقایق و روایات کا تعین کیا جا سکتا ہے واصل کشمیری کے معاصرین اور شاعری میں مرزا گرامی سے اسکی شاگردی کا سلسلہ پیش خدمت ہے اس شجرہ میں شاعر اپنے زمانے کے برگزیدہ معاصر شعرا کی صف میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ملا سامری

- ملا ساطع کشمیری م ۱۱۵۰ھ
- مرزا عبد الغنی قبول م ۱۱۳۹ھ
- گویا ابن سامری برادر جویا ابن سامری

- رزا گرامی خلف مہین قبول م ۱۱۵۶ھ
- کشن چند اخلاص بن اچل داس کھتری
- نزہت نور اللہ بیگ کشمیری کشتہ شد ۱۱۴۰ھ
- ناجو بن قبول
- ارجمند مرزا بن مقبول آزاد و جنون تخلص میکرد
- مرزا محترم بن قبول
- رحمت اللہ تمکین کشیری
- احسن اللہ فصاحت خان راضی کشمیری
- صلابت خان سید م ۱۱۳۷ھ
- نعمت اللہ خان بن نواب روح اللہ خان نعمت الالہی م ۱۱[illegible]ھ
- خواجہ مقصود جامع کشمیری
- مرزا علی بیگ کشمیری
- محمد علی حشمت
- علی قلی ولی
- ملا محمد رافع

- سلام اللہ تسلیم بن شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی
- حافظ حلیم
- علیم اللہ خان علیم
- مرزا نسیم
- محمد واصل خان واصل
- مولوی محمد توفیق
- مولوی عبد الوہاب شایق
- ملا محمد رفیع ماتنجی

ماخوذ از تذکرہ الشعرای کشمیر از پیرزادہ حسام الدین راشدی مؤلفہ میرزا محمد اصلح ص ۲۹۲

دراصل واصل کے نقل مکانی، کشمیر سے دہلی، دہلی سے جے نگر، جے نگر سے عظیم آباد یو.پی. اور پھر عظیم آباد سے واصل کے لکھنو میں مستقل قیام تک اپنے تخلص واصل ہی کے نام سے مشہور تھا اور صرف قریبی حلقہ ہی اس کے پورے نام سے واقف تھا اور اسی لئے یہ نام دو صورتوں میں معرض تحریر میں آیا ہے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری میں واصل کے دیوان کا ۱۲۲۱ھ کا مخطوطہ موجود ہے اس میں کم وبیش چار سو کے قریب غزلوں کے علاوہ مختصر قصائد اور رباعیات بھی شامل ہیں[۱۳]۔

واصل نے اپنی رنگینی سخن سے اس زمانے میں لکھنو کے ادبی حلقوں میں اپنا سکہ بٹھا دیا تھا اور مشہور و معروف شاعر میرزا گرامی کے با امتیاز شاگردوں میں اسے کشمیر میں فارسی کے ادبی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا[۱۴]۔ واصل کے کلام سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسے شاعری سے فطری لگاؤ تھا۔ اس کی غزلیات میں کثیر تعداد، بہاریہ، عشقیہ اور رمزیہ غزلوں کی ہے۔ مے و میخانہ، بت و ساقی گل و بلبل، بہار و چمن، شیخ و برہمن، زاہد و میخوار اور شادابی اطراف کے مناظر کی عکاسی واصل کی غزلیات میں نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ اس کی رباعیات میں عمر خیام کا سا انداز اور فلسفہ فکر پایا جاتا ہے غزلیات میں واصل نے حافظ کی سنگلاخ زمینوں میں طبع آزمائی کر کے فارسی غزل گوئی میں اپنی مکمل دسترس اور مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ اگرچہ "مثنوی مہاراج نامہ" کا کوئی بھی نسخہ اب تک دستیاب نہیں ہو سکا ہے لیکن شاعر کے قصائد، غزلیات اور رباعیات کی شاعرانہ برجستگی اور پختگی کے لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ واصل

کو مثنوی گوئی پر بھی پوری مہارت حاصل رہی ہوگی لیکن واصل کی مثنوی "مہاراج نامہ" ہمارے پاس موجود نہیں ہے جس سے اسکی مثنوی گوئی پر سیر حاصل بحث ممکن ہو سکتی لہٰذا اس کی مثنوی سے متعلق ہمیں صرف اتنی ہی بات پر اکتفا کرنا پڑ رہا ہے۔

دیوان واصل کے علاوہ اسکی ایک اور تصنیف "نصاب واصل" یا "نصاب کشمیری" کے نام سے کلچرل اکیڈمی سرینگر کے تحقیقی کتابخانہ میں موجود ہے[۱۵]۔ واصل کی اس مختصر مگر مبسوط تصنیف جو ستر صفحات پر مشتمل ہے کا آغاز "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے ہوتا ہے اور اس کے بعد "متنِ نصاب" کی ابتدا ہوتی ہے شاعر نے اسکو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے پہلا باب تقطیع شعر میں ہے استناد تصنیف کے سلسلہ میں متن ملاحظہ ہو۔

ابتدا کہ........ داور کون و مکان (ق)

ثنا بماند نام این معجز بعالم جاودان

اگر خردمندی تو این بحر رمل از بر بخوان

فاعلاتن" فاعلاتن" فاعلاتن فاعلات[۱۶]

واصل کشمیری کی اہم بات جو اس نصاب میں پائی جاتی ہے وہ کشمیری زبان و کلچر کا احیاء اور اس زبان سے متعلق نصابی معلومات ہیں شاعر نے کشمیری زبان کے نصاب سے متعلق ان اشعار میں کشمیری لغت کا مقدس استعمال بکثرت کیا ہے۔ مثلاً گھوارہ کا منزلے کبوتر کا کوتر وغیرہ کا استعمال کیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ واصل نے کشمیری کلچر کے کچھ پہلوؤں کے علاوہ یہاں کے نباتات اور میووں کا بھی ذکر کیا ہے اور کشمیر میں پائے جانے والے بیشتر مشہور و معروف پھولوں کے نام بھی گنائے ہیں۔ ان پھولوں کے فارسی ناموں کے ساتھ انکے کشمیری نام بھی دیئے ہیں[۱۷]۔ پھر اقسام نانہا" اور اقسام "میوہ ہا" نظم کئے ہیں[۱۸]۔ اقسام گلہا سے نمونے کے طور پر ایک بند پیش خدمت ہے سہ

نرگس و صد برگ و سوسن و بید مشک جعفری
مخمل و زنبق، گلاب است و ضیمران بعد ازان

چون گل داؤدی عباسی و ریحان آفتاب
یاسمن لورنگ و خطمی شد بنفشہ زعفران[۲۲]

قسم نان میں سے ملاحظہ ہو :-

نوع نانہا باقری خان است دیگر شیرمال
دیگر آبی کادچشم است ورقاق و تافتان

نان قندی، نان جتاتی، نان تحہ دار

نان بادامی و نان پلنجہ کش ہم نوع نان
نان کاقی نان محمودی و نان تکتکی

نان پیچان نان خاکستر بود اقسام نان[۲۳]

اس تصنیف کی فرہنگی اور تہذیبی اہمیت کے علاوہ اہم اور لسانی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کشمیری اور فارسی کے مماثل نصاب پر مشتمل ہے چنانچہ کشمیری زبان کے صرف و نحو سے متعلق اس کتاب سے تمامی مدد لی جاسکتی ہے۔ واصل کے ادبی اور شعری کارناموں پر تحقیق کے دوران ہم کو شاعر کا جو دیوان مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتاب خانہ سے دستیاب ہوا اس سے درج ذیل اشارات اور انتخابات ملاحظہ ہوں ۔

دیوان کی پہلی غزل میں دوسرے مصرعوں کے آخری حصے مٹ چکے ہیں[۲۱] اسکا مقطع یہ ہے

مقطع ہے :-

آشفتۂ نگاہ تو تنہا نہ واصل است
صحرا نورد عشق تو چندین غزالہ ھا

دوسری غزل کے چند اشعار ہے

ای پری سودای جست از ازل داریم ما[۲۲]   گفتگوی تازہ ای بر ہر مللے داریم ما

کیست امشب همسری دارد بما در بزم می — بادهٔ زیر شیشهٔ می در بغل داریم ما
چشم ما از درد عشقت آنقدر ها ریخت آب — هر قدم در راه شوقت صد خلل داریم ما

آه زلفت بیلا کرد گرفتار مرا — ورنه با دام کجا بود سر و کار مرا
در عدم سلسله جنبان جنون بودم من — زلف زنجیر بپا کرد نه این بار مرا
تازه آوره گی افتاد بدل رہگذرم — خضر راه است درین بادیه هر خار مرا
دل دیوانه بگلزار چه پروا دارد — بس بود رشک چمن سینهٔ افگار مرا
خیمه ها میزنم از آبله در دشت جنون — نیست منتِ بسر از سایه دیوار مرا

روز وصلت چو نباشد شب هجرانی هست — نیست گر گل بچمن خار بیابانی هست
شمع گر نیست بخلوتکده ام، گو نبود — چشم گریان، لب خندان، دل سوزانی هست
حاجتی نیست که داری بمزارم شمعی — داغهای جگرم طرفه چراغانی هست
گریه کردم از غم لیلیِ شیرین سخنی — کوه و صحرا و چمن لاله و ریحانی هست
گر خیال چمنت هست بیا جانب ما — که به هر داغ دلم سیر گلستانی هست
سر زند نالهٔ بلبل بخرامت هر جا — نقش پای تو مگر یک چمنستانی هست
خط سبز تو بگرد لب لعل میگوید — خضر لب تشنه برین چشمهٔ حیوانی هست
واصلم تا شده سیراب ز فیض معجز — مصرع هر غزل دفتر دیوانی هست

چرا ذوق رمیدن ندارد — دلم پروردهٔ وحشت پناه است

نه سمن نه نرگس و نه لاله زارم آرزوست

جلوۂ رنگین یار گلعذارم آرزوست
دل بصحرای جنون سرگشتہ سر کردہ است

حلقۂ زنجیر زلف تابدارم آرزوست
از کجا آموختی طرز تغافل این چنین

یک نگاہ ناز چشم پر خمارم آرزوست
در چنین جوش بہار ای ساقی گل پیرہن

بادۂ رنگین ز جام زر نگارم آرزوست
رحم کن صیاد بکشا یک نفس بال و پرم

یک پریدن قالب بام بہارم آرزوست
شیخ تکلیفی مکن دیگر بسوی قبلہ ام

گوشۂ محراب ابروی نگارم آرزوست
ما چو میدانیم آب خضر و جوی سلسبیل

آب تیغ ابروی خمدار یارم آرزوست
غمزہ را خون ریز کن ظالم بہ قربان نگاہ ناز

یک طپیدن زیر تیغ آبدارم آرزوست
ہست مسجود ملائک نقش پای غوث دین (غوث الاعظم)

سرمۂ از خاک در شان در چشم زارم آرزوست
واصلم چون رنگ و بوی گل بآن گل پیرہن

باز حیرانم چرا وصل نگارم آرزوست

واصل کو تاریخ گوئی پر بھی مہارت حاصل تھی اسکے ایک قصیدے سے مغل وزیر عماد الملک شاہ غازی الدین خان صفدر جنگ (فیروز جنگ) کی تاریخ بھی برآمد ہوتی ہے۔

Scanned by CamScanner

آه از جفای این فلک تیره زشت رای
هرگز نشد ہیچ یکی عافیت گرای
از واقعه وزیر به واصل سروش غیب
گفتا "به ضرب گولۂ جان داد ہای ہای"

دیوان کے آخر میں ایک اور جگہ واصل کے ایک قصیدہ میں یہ تاریخ بھی ملتی ہے جو واصل نے وزیر مذکور کی شان میں لکھا ہے ؎

آن سپہ سالار ہندوستان و فیروزی نشان
رستم از یک حملہ اش گوید بمیدان الامان
یافت واصل تاریخ مبارک خد منتش
"بخشی اقلیم ہند" از ہاتف غیب الانسان

واصل کے دیوان کی آخری غزل یوں ہے ؎

چہ سان ایدل زخم در دامن آن تند خود ستی
کہ دستی بر سر خنجر گذارد در گلو دستی
چنین دامن کشان گر بگذری ای سرو ناز من!
برنگ سبزہ از خاکم برآرد آرزو دستی
پریشان چون نگردد خاطرت مشاطہ نازش
کہ ہمچون شانہ اش دارم بزلف مشک او دستی
بیروش چون نظر کردم سرشک از دیدہ ام سرزد
بود دور از ادب بردن بمصحف بیوضو دستی
چرا چاک گریبان تا بدامانم رسا نبود (ح)
کہ ہمچون گل ز زخم او ندارم در رفو دستی

Scanned by CamScanner

واصلؔ کی رباعیات کے چند نمونے ملاحظہ کیجیے

ای بندہ نواز کار پرداز جہان　　صد جان بیک احسان تو سازم قربان
چشم سر من چو باز کردی روشن　　هم چشم دلم بساز روشن تر ازان

یارب ز کرم بندہ نوازی کردی　　کز آتش عشق دلے گدازی کردی
پیراہن آلودۂ من بد مستی　　از آب سرشک خوش غازی کردی

آن شوخ کہ چون زلف دوتا کرد رہا　　زنجیر جنون کرد بپای دل ما
از قامت ناز او چہ می پرسی باز　　صد شور قیامت بجہان کرد بپا

برگ گل و لالہ شبنم افشان خواہم　　صد گوہر با لعل بدخشان خواہم
رخسار رنگین عرق افشان خواہم　　خونبار دو چشم و لعل خندان خواہم

ای مژہ ات خنجر و پیکان جفا است　　وان زلف کجت کمند صید دلہا است
صیاد دو چشم و دانہ اشک تعال سیہ　　آن مردمک چشم مگر صید نما است

رباعیات میں ہندوستانی لغت کا استعمال ع :-

لعلے بگہر مرصع ارزان خواہم　　گلدستۂ یاسمین و ریحان خواہم
چون کتھہ و سپاری زیب پان است　　زین ہر سہ یکی گم شدہ من پان خواہم

حافظ شیرازی کے رنگ میں بھی واصلؔ کی متعدد غزلیں اور متفرق اشعار ملتے ہیں اگرچہ بعض غزلیں حافظ کی زمین میں بھی ملتی ہیں۔

نو خطی داغ دل خونین تماشا کرد و رفت
در دل ہر غنچہ ام صد شعلہ انشا کرد و رفت

Scanned by CamScanner

۸

از نگاه نیم مست آن می رنگین ادا
برد لے شیخ و برہمن کار صہبا کرد و رفت
از فسون دلبری آن یوسف گل پیرہن
طاقتم تاراج چون خواب زلیخا کرد و رفت
سرو رعنا جلوۂ شور قیامت در بغل
خوش بچشم واصل ما کار مینا کرد و رفت

حافظ کی ایک اور غزل کا مطلع یہ ہے ؎

بدام زلف تو دل مبتلای خویشتن است
بکش بہ غمزہ کہ اینش سزای خویشتن است

اس زمین میں واصل کے غزلیہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

دام زلف یار صید اضطرابم کردہ است
بادۂ لعل لبش مست و خرابم کردہ است
چشم وادارم چو کوکب تا سحر از انتظار
آرزوی روی او فارغ ز خوابم کردہ است
دل شد اسیر گیسوی مشکین تابدار
ہندو ببین کہ ملک بدخشان گرفتہ است
دامن ز خون واصل اگر میکشند چرا
بر سنگ سرمہ خنجر مژگان گرفتہ است

نرگس چو چشم من برہ انتظار کیست
وین لالہ ہمچو سینۂ من داغدار کیست

۶

ہر صبح خندہ بر گل خورشید می زند
آئینہ نوبہار ز رنگ عذار کیست
آتش زند بہ سینۂ افلاک روز و شب
این آہ و نالہ از جگر بے قرار کیست

این گلستان جنون ما تماشا کر زنیست
جیب دامانی پر از گلہای سودا کر زیست

دل کہ در کوچۂ زلف تو شب آرام گرفت
کاروان یمن ما وطنِ شام گرفت

جوشش بادۂ عشق از خم می خانہ ماست
مستی نہ فلک از گردش پیمانہ ماست
ہر خیال از دل ما رقص کنان می آید
مگر این شیشۂ گلرنگ پریخانہ ماست
گل کہ با چاک گریبان بچمن می خندد
در عدم خستہ دلے شوخی جانانہ ماست
از سر زلف تو زنجیر توانش کردن
شور محشر بجہان از دل دیوانۂ ماست
نور شمع دل ما سوخت چراغ خورشید
طرح افلاک ز خاکستر پروانۂ ماست

۷

واصل از غمزهٔ او تاب نیاورد فلک
عشق شوخیست که آتش زن کاشانهٔ ماست

بادهٔ رنگین که شب در جام ریخت | از نگاه آن ساقی گلفام ریخت
پخته مغزهای جوشش نو بهار | شور سودا در سر هر خام ریخت
قصهٔ رسوائیم زاهد مپرس | طشت نیک و نام من از بام ریخت
آه چشم واصلم در کوی یار | خون دل بسیار صبح و شام ریخت

شب به بزم آن نازنین شوخی ادا پرداز بود
جان بلب دل در طپیدن رنگ در پرواز بود
یاد آن روزی که جانانم چو نی دم ساز بود
همزبان همدم و همدرد و هم آواز بود
دوش در گلشن خوان رشک باغ و بهار
یک چمن گلهای رنگین فرش پا انداز بود
به نگر دراز دوا بیمار چشم مست ناز
عاجز از جادوی چشم مست او اعجاز بود
باده و مینا و جام و مطرب و چنگ و رباب
چشم بد ور است ساقی محفلم با ساز بود
بسکه در کنج قناعتهاست گنج عافیت
این همه تشویش و رنج و غم ز حرص و آز بود
در ره عشقش نمیدانم چه انجامم بود
حسن روز افزونی او واصل هنوز آغاز بود

زاہد زجام عشق کشیدم چو زہرناب
ہر قطرۂ بکام من آب زلال شد
مستانہ جلوۂ کہ بصد رنگ میکنی!!!
چندین ہزار عالم دل پایمال شد
جز نامۂ سیاہ ندارد بدست خویش
ہر کس ز حسن شیفتۂ خط و خال شد

اوپر قدرے تفصیل کے ساتھ ہم نے واصل کے کلام کا نمونہ پیش کیا ہے تاکہ اس کی روشنی میں ہم شاعر کی فارسی سخن سرائی میں اس کا صحیح مقام متعین کر سکیں۔ غزلیات کا بدقت مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واصل کو غزل گوئی میں بڑی دسترس حاصل تھی اور اس نے اس میں ندرت خیال، زور بیان اور قدرت زبان کا ثبوت دیا ہے۔ حافظ شیرازی کی بیشتر زمینوں میں کئی شعرا کی طرح واصل نے بھی غزلیں کہی ہیں لیکن انصاف سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسا کرنے میں کسی حد تک اسے خاصی کامیابی ہوئی ہے، سلاست و روانی، شیرینی و لطافت، موسیقیت اور تفہیم و ابلاغ کے لحاظ سے واصل کے بہت سارے اشعار بعض ہندوستانی شاعروں پر فضلیت رکھتے ہیں واصل کا ہمعصر شاعر ملا محمد رافع امیر الامراء خان دوران خان کے پاس محمد شاہ کے درباریوں میں شامل اور اس وقت کے قصیدہ نگاروں میں اسے بڑی اہمیت حاصل تھی لیکن واصل نے قصیدہ میں بھی اپنی فنی برتری کا ثبوت دیا ہے۔

غزل گوئی واصل کا سب سے بڑا صنف سخن تھا اور اس نے اپنی غزلیات میں حافظ کی سی بلند خیالی اور دقیق نظری فصاحت و بلاغت نادر اور اچھوتے خیالات کا پرکشش انداز میں اظہار کیا ہے۔ بلکہ واصل نے رندی و سرمستی زاہد و شیخ و برہمن

Scanned by CamScanner

گل وبلبل، عاشق ومعشوق کے جلوہ ہائے رنگارنگ اور شادابی کے موضوعات کو بالکل حافظ کے انداز میں بیان کیا ہے واصلؔ کی ایک خصوصیت جو اسے دوسرے مقامی فارسی شعراء سے متمیز کرتی ہے یہ ہے کہ اس کے اشعار زیادہ سلیس اور روان ہیں۔ بآسانی سمجھ میں آنے کے ساتھ ساتھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا شاعر سننے والے کی زبان حال سے بول رہا ہے۔ انسانی جذبات کی اس انداز بیان میں عکاسی واصلؔ کی سخن سرائی کا مایۂ امتیاز ہے۔ نئی نئی تشبیہات نئے استعارات اور اس کا سلیس اور روان انداز بیان اور اس دور کی مشکل آرائی سے نکل کر ایک نئی روش کا آغاز کرتا ہے اور فارسی غزل کو ایک نئی نظر رسا کے ساتھ پیش کر کے اسکی شیرینی ولطافت میں اضافہ کرتا ہے۔

عام فارسی شعرا کا بالخصوص ہندوستانی فارسی شعرا کا رندی وسرمستی کے بیان میں ایک تقریبا متصوفانہ اور پیچدار فلسفیانہ اسلوب ہوتا ہے اور قلبی واردات وجذبات گویا ایک غیر مانوس صورت میں شکل پاتے ہیں جبکہ واصلؔ اس مشکل کی گرہ کشائی کر کے سادگی بیان کے ساتھ شعر کی تاثیر میں اضافہ کرتا ہے اور یہی تاثیر پذیری اسکی شعر وشاعری کی اہم ترین خصوصیات میں سے ہے۔ ذیل میں ہم ضمناً واصلؔ اور حافظ کی یکسان بحر کی ایک غزل پیش کرتے ہیں جسمیں اگرچہ واصلؔ کی برتری دکھانا مقصود نہیں لیکن اس کی کامیاب کوشش اور بیان وزبان کی دلکشی کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

حافظ شیرازی	واصلؔ کشمیری
نفس باد صبا مشک فشان خواہد شد	چہرہ کشا کہ قیامت بجہان خواہد شد
عالم پیر دگر بارہ جوان خواہد شد	عاشق روی تو ہر پیر وجوان خواہد شد
ارغوان جام عقیقی بسمن خواہد داد	سخن از ساغروی گو بچہ فکری واعظ
چشم نرگس بشقایق نگران خواہد شد	آنچہ از من شدنی ہست ہمان خواہد شد
این تطاول کہ کشید از غم ہجران بلبل	شد بہار آخر وگل زرد شد ولالہ نماند

تا سراپردۂ گل نعرہ زنان خواہد شد
گر ز مسجد بخرابات شدم خردہ مگیر
مجلس وعظ دراز است و زمان خواہد شد
ای دل ار عشرت امروز بفردا فگنی
مایۂ نقد بقارا کہ زمان خواہد شد
ماہ شعبان منہ از دست قدح کاین خورشید
از نظر تا شب عید رمضان خواہد شد
گل عزیز است غنیمت شمریدش صحبت
کہ بباغ آمد ازین راہ و ازآن خواہد شد
مطربا مجلس آن است غزل خوان و سرود
چند گوئی کہ چنین رفت و چنان خواہد شد
حافظ از بہر تو آمد سوی اقلیم وجود
قدمی نہ بوداعش کہ روانی خواہد بود

بلبل سوختہ کی نعرہ زنان خواہد شد
ساقی گل رخ من یکدو قدح زن بہ چمن
کہ بیک چشم زدن دور خزان خواہد شد
چہرۂ شاہد مقصود بعبارت پوشید
آہ این چشم تو کہ اشک فشان خواہد شد
حاجتی نیست بحاکم کہ چراغ افروزی
شعلۂ نور ہمین تشنہ زبان خواہد شد
جام می درکش و نظارۂ گل کن واصل
کہ برنگ دگر اسباب جہان خواہد شد

مذکورہ غزل کے تقابلی مطالعہ کے بعد واصل کی کوشش تسلی بخش حد تک کامیاب نظر آتی ہے۔

واصل نے اپنے کلام کو مشکل تعبیروں، تشبیہوں اور استعاروں سے آراستہ کرنے کی بجائے سادہ بیانی اور سلاست و روانی سے کام لیا ہے اور پیچیدہ بیانی کے قطعہ نظر تصوف و عرفان کو غزل میں رندی و سرمستی سے اسطرح ملایا ہے کہ انکے دائیروں کے اطراف و جوانب اور خفیہ گوشے صاف صاف دکھائی دینے لگتے ہیں مثلاً ؎

وصل جانان گر طلب داری ز خود بیگانہ شو
تا ز صہبای محبت پر شوی پیمانہ شو

واردات عشق در بزم و حریم جان جان ہے

گر طلب داری بگرد شمع جان پروانہ شو

واقف اسرار او کہ مو بمو خواہی شدن ہے

چاک کن دل را بزلف آن پری روشانہ شو

واعظان آب زبانی تشنہ گامان را دہند

شربت عناب گر خواہی سوی میخانہ شو

وارث ملک سلیمان تا شوی مور ضعیف

خرمن خود سوز و فارغ از ہوای دانہ شو

واصل ار داری گنج بی پایان شوق

بگذار از آبادی سے خود ساکن ویرانہ شو

اگرچہ ہند را از یک دگر محمود برہم زد

شکست فوج صبرش آخر از زلف ایاز آمد

سر بی مغز زاہد تا کجا بر پای خم داری

بزن دستی بزانوی ادب وقت نماز آمد

واصل کی ایسی ہی ایک اور غزل کے چند اشعار پیش خدمت ہیں ؎

جنونی نو کند پیدا دلم ہر گہ کہ یار آید

بلی بلبل خروشان می شود چون نو بہار آید

چو آن غارتگر گلشن خرامان در چمن گردد

خراش سینۂ بلبل زغم بر نوک خار آید

بروز مردن من طرۂ پرچین کشاد آن بت

ہنوز از مشت خاکم نکہت مشک تتار آید

Scanned by CamScanner

اوپر دیئے گئے اشعار میں معنی و مطالب کی جو گہرائی پائی جاتی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ واصل نے مطالب و معانی بڑی آسانی کے ساتھ ادا کیئے ہیں اور غزل کو ثقیل الفاظ سے بچالیا ہے۔ واصل کا کلام اسطرح کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے اور اس طرح اصناف سخن میں شاعر نے جو جداگانہ انداز بیان اور آسان و سادہ مگر لطیف و دلکش اور شیریں طرز نگارش اپنایا اور اسمیں مکمل مہارت و قدرت کا ثبوت دیا ہے اس دور کے ادب بالخصوص صنف غزل میں اسکی مثال کم ہی ملتی ہے۔ یہاں پر اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ واصل کی ایک سے ایک اچھی غزل نکالی جاسکتی ہے۔ اس کے مکمل، دقیق اور سیر حاصل مطالعہ کے لئے الگ سے ایک باب ہو سکتا ہے تاکہ واصل کے کلام کا مطالعہ بھرپور انداز میں مزید دلائل اور اثبات کے ساتھ پیش کیا جاسکے اس لئے طوالت سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم اپنی بات کو واصل کے کلام سے منتخب صرف چند ایک مثالوں پر ختم کرتے ہیں ؎

بیا ای توش ابر چشم خونبار
گریبان تا بدامان کن شرر زار

ز زلف آن بت سرمست طناز
کشد در گردن خود شیخ زنار

ز بس سرگرم سودای تو گشتم
براہم شمع روشن گشت ہر خار

ز حیرت بر سر مژگان سرشکم
ز غمازی چو منصور است بردار

عرق چون از عتاب آورد بر رو
بآب و تاب دیدم حسن دلدار

Scanned by CamScanner

دارم ز چشم مست تو میخانۂ دگر
وز گردش نگاہ تو پیمانۂ دگر
تا جلوہ کردی ای بت نازک ادا بناز
این دیدہ و دلست پری خانۂ دگر
عمری گذشت است کہ پوشیدہ در بغل
دارم برای زلف تو یک شانۂ دگر
نگرفت خار وادی مجنون چو دامنم
خواہم کہ سر کنم رہ ویرانۂ دگر
زاہد چو قصہ از سر زلفش مطول است
کن مختصر بخوان بہ من افسانۂ دگر
چشم کسی چگونہ بخواب آشنا شود
شمعی دگر بسوز و پروانۂ دگر

گر در چہ کم ز تار تو گر جلوہ ای کنی
جان میدہد بکوی تو یک بسملے دگر
ای رہرو طریقت دل گام بیش زن
در ہر قدم بود بہ رہش منزلے دگر
دیدم بکوچہ اش چو شدم برامید وصل
در خاک و خون طپیدہ دو صد واصل دگر

مندرجہ بالا اشعار میں موزون تشبیہات اور آسان تمثیلات اور استعارات کا جس فنکارانہ انداز میں استعمال ہوا ہے اس سے واصل کی غزل گوئی کے ان کوششوں پر بھی

روشنی پڑتی ہے جنہیں ہم سوز عشق اور ساز و طرب سے تعبیر کرتے ہیں۔ واصل کے اشعار میں اظہار خیال نکھرا اور جذبے کی موزون و مناسب حد تک ہم آہنگی قابل ستائش ہے مثلاً یہ غزل ملاحظہ ہو:۔

سرگذشت حسن گل از بلبل دیوانہ پرس
حالت سوز گداز شمع از پروانہ پرس

سبز پوشان واقف اسرار بزم دل نیند
درد نوشان محبت از در میخانہ پرس

ساقی شیرین سخن ہر جا کہ گردد جلوہ گر
یاد سر راز کہ پرستی ازلی و میخانہ پرس

سر پنہانی چہ دانند بیرون ماندگان
نکتۂ راز از من محرم نہ از بیگانہ پرس

سادہ لوحان رمز معنی را چہ میدانند حیف
واعظ دیوانہ را از قصہ و افسانہ پرس

سرمہ از چشم سیاہش گر نمیگوید سخن
حالت زلف پریشان از زبان شانہ پرس

ساکن مسجد چہ داند جز حدیث وعظ و پند
مست جام عشق را از گردش پیمانہ پرس

سرخ روی بزم واصل گشتہ ام در رہ فنی
ہر چہ می خواہی بیا و از من مستانہ پرس

واصل زاہدوں اور واعظوں کی پردہ دری میں بھی بیباک نظر آتا ہے۔

زہد و تقوی ایک طرف یکسوست دستار و ردا

زاهد مسجد نشین در بزم رندان یافتم
زهد و تقوی یکطرف تسبیح و دستارت چه شد
پیرهن زاهد تر در بزم مستان یافتم

تا شدم از حق پرستی واقف اسرار خویش
غم ندارم هرگز از بود کم و بسیار خویش
شکوهٔ رسوائی از دل ندارم اینقدر
گشته ام رسوای خلق از دیدهٔ خونبار خویش

زاهد بگیر جام دگر توبه ات شکست
آبت ز سر گذشت چه یک نیزه چه دست

زاهد برو ز درد دل عاشقان مپرس
بیگانه ای ز راه محبت نشان مپرس
دارد بهار گلشن جان داغ ناله اش
واصل تو سوز بلبل از خزان مپرس

از ازل یک قطره در جام فلک افگنده است
بر سرش خاکی کن و بگذار سوی می فروش
گر دل دیوانه زاهد از تو بیدل گشت و رفت
۲۵
بر سرش خاکی کن و بگذار سوی می فروش

Scanned by CamScanner

حیف زاہد دل دہی با زلف حوران بہشت
ہر دو عالم کی رسد با تار موی می فروش

گرد کویش می زند صد چرخ گردون صبح و شام
تا کشد بر دوش خود یکدم سبوی می فروش

می کند ہر دم دل دیوانہ ام بی اختیار
ای صبا افگن غبارم را بکوی می فروش

بر امید جلوۂ رنگین او ہر صبحدم!!
چون صبا سر می زند واصلؔ بسوی می فروش

آخر میں واصلؔ کی یہ غزل ملاحظہ ہو جس میں اشعار کا ربط و ضبط، تسلسل، روانی اور ترنم و تغزل قابل تحسین ہے اور اسکے ساتھ ہی ساتھ واصلؔ کا عارفانہ تخیل بھی ملاحظہ ہو کہ کتنی رفعت پا چکا ہے۔ بیتابی دید اور نوای رقص کی جھنکار واصلؔ کی اس غزل کی خاص خصوصیت ہے ؎

صوفی بیا کہ یار در آمد ہوای رقص
مطرب کجا شدی کہ سرای نوای رقص

صد رہ کنیم دیدۂ دل فرش پای او
یکرہ چو آن پری بمن آید بپای رقص

صبر از دلم ربود چہ آمد بگوش جان
در شوق از گنبد گردون صدای رقص

صندل کجا و درد دل عاشقان کجا
این درد را دوا نبود جز نوای رقص

صحبت اگر طلب کنی ای دردمند عشق
از آب گرم چشم بجوشان دوای رقص

Scanned by CamScanner

۷

صورت پرست کی شود آگہ زرمز دل
بر چرخ ہفتم است نشانہای پای رقص
صحبت چسان طلب لنی از بیخودان عشق
بیگانہ است از ہمہ کس آشنای رقص
صبح از فنون عشق چو بلبل بباغ شوق
کردیم طرح این غزل اندر ثنای رقص
صحرا و کوہ رقص کنند از ہوای شوق
واصل چرا قدم نہ زنی در فضای رقص

واصل شوق و شغف اور بیخودی و بے اختیاری کے ساتھ میخانہ و ساقی و شراب کا نام لیتا ہے۔ اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شراب پیتا تھا لیکن اس کے کلام کے عمیق مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ دراصل شراب معرفت کا دلدادہ تھا نہ کہ ظاہری شراب کا۔ چونکہ عارف و صوفی منش آدمی تھا اسلئے سوزش عشق اس کے لئے شراب معرفت کی شکل اختیار کر گئی اس حالت میں وہ رقصان و دست افشان و پاکوبان غزل سرا ہوتا ہے

واصل کی رباعیاں بھی جیسا کہ اوپر بیان ہوا ان میں بالعموم اس نے ایک خاص فلسفہ فکر کو برتا ہے بظاہر اگرچہ رباعیات میں اسکے فلسفۂ فکر کے گوشے فلسفۂ عمر خیام سے ملتے جلتے ہیں تاہم اسکا اس صنف میں بھی اپنا جداگانہ انداز ہے حقایق اشیا کا ادراک، حیات و ممات اس کہنہ سرا دنیا کی بے ثباتی اور فنا کے تصور کے ساتھ ساتھ اس کی نو آبادی اور تعمیر نو واصل کا مطمع نظر ہے گویا وہ قنوطیت کا شاعر نہیں نئے ولولے اور ایک نئے آدم کی تخلیق میں یقین رکھتا ہے۔ اور اسکے فکر کی یہ اصالت اسے

دوسرے رباعی گو شاعروں سے الگ کرتی ہے مثال کے طور پر اس طرح کی کچھ اور رباعیاں ملاحظہ ہوں ؎

آنانکہ درین مقام و ماوا ہستند
از ہستی و نیستی خود رستند
نی خود بمیان نہ دیگری را بینند
از خود شدہ بیخود بخدا پیوستند

ای اگرت ولی است فریادی کن
در حضرت عشق داد بیدادی کن
از پا بر کن بنای ہستی یکسر
این کہنہ سرای را تو آبادی کن

یارب ز کرم بندہ نوازی کردی
کز آتش عشق دل گدازی کردی
پیراہن آلودۂ من بد مستی
از آب سرشک خوش نمازی کردی

آہو بانی سیاہ چشمے بد خو
می بست بزنجیر غزالے خوش رو
گفتم صنم این غزال شوخی میکرد
رم کردہ بمن گفت آہو، آہو

آن شوخ چون زلف دوتا کرد رہا
زنجیر جنون کرد بپای دل ما
از قامت ناز او چہ می پرسی باز
صد شور قیامت بجہان کرد بپا

ہندو زنگی ماہ رخی آفت جانے
با شوہر مردہ بسوخت خود را خندان
گفتم کہ چرا تو زندہ خود را سوزی
گفتا بتوان زیست بداغ ہجران

حوالہ جات

۱؎ سفینۂ ہندی مولّف بھگوان داس ہندی ص ۲۳۷ چاپ پٹنہ

۲؎ سفینۂ ہندی کا بیان ہے میر خلیل سے متعلق ہماری معلومات ناقص ہیں۔

۳؎ صبح گلشن مؤلفہ سید علی خان ص ۵۸۰ چاپ بھوپال ۱۲۹۵ھ۔

۴؎ راجہ کول کا نوشیروان عادل اور واصل بن حسن عبدالکریم کا راجہ کول کی نسل سے ہونے سے متعلق ہمارے پاس کوئی دوسری سند موجود نہیں اور اگرچہ راجہ کول نوشیروان عادل کی اولاد سے ہونا بآسانی قابل یقین نہیں تاہم مواد کی عدم موجودگی کی بنا پر ہمکو اسی بیان پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔

۵؎ امیر الامراء خان دوران سے مراد محمد عاصم خواجہ اشرف خان صمصام الدولہ امیر الامراء خان دوران بہادر منصور جنگ بن خواجہ قاسم نقشبندی متوفی ۱۱۵۱ھ ہے۔

۶؎ راجہ ادھے راج نریندر اور راجہ ٹکیت رائے بہادر اس وقت والی اودھ نواب آصف الدولہ کے دیوان تھے جو خیانت کے جرم میں ۱۲۱۱ھ میں معتوب و معزول ہوئے قیصر التواریخ جلد ا ص ۱۷ا بحوالہ راشدی ص ۵۰۲۔

۷؎ سفینۂ ہندی ص ۲۳۷، یہ اشعار "صبح گلشن" میں بھی موجود ہیں۔

۸؎ سفینۂ ہندی مولّف بھگوان داس ہندی ص ۲۳۷

۹؎ صبح گلشن مؤلفہ سید حسن علی خان ص ۵۸۰

۱۰؎ صبح گلشن ص ۵۸۰ مذکورہ تینوں تذکروں میں انہی اشعار کا تکرار ہوا ہے۔

۱۱؎ ایضاً

۱۲؎ ایضاً

۱۳؎ دیوان واصل کشمیری حبیب گنج کلکشن نسخہ قلمی مخطوطہ ۱۲۲۷ھ شمارہ کتاب

۸۸ ایکسیشن نمبر ۶۳ ۵۴۴ شمارہ ترتیب ۱۲۰۸. نوٹ: اس نسخہ کی کتابت لکھنؤ کے کسی محمد عاشق نامی کاتب کے ہاتھوں ہوئی ہے اور یہ نسخہ مولوی سید محمد تقی صاحب مددگار صدارت عالیہ حیدرآباد کے ذریعہ علی گڑھ کے بی۔ وی۔ سی نواب جیبب الرحمان خان شیروانی کے توسط سے کتابخانہ کے جیبب گنج کلکشن میں شامل کیا گیا ہے نسخہ کے آخر پر صفدر جنگ حیدر یار جنگ کے ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ کے دستخط موجود ہیں۔ اصل نسخہ کے کل اوراق ۱۶۶ ہیں جن میں سے درمیان کے ورق ۱۱۴ اور ورق ۱۲۳ غائیب ہیں اور ہر صفحہ پر ۱۸ سے ۲۱ کے درمیان سطور ہیں کتابت نستعلیق خط میں ہے۔

۱۴؎ ملاحظہ ہو واصل کے معاصرین اور مرزا گرامی کے شاگردوں کا سلسلہ تذکرہ شعرای کشمیر از حسام الدین راشدی مؤلفہ میرزا اصلح

۱۵؎ سامری ماخوذ از تذکرہ شعرای کشمیر مؤلفہ محمد اصلح ص ۲۹۲، مرزا گرامی ملا سامری کا بیٹا تھا

۱۶؎ اس سلسلے میں واقعات کشمیر کے مؤلف محمد اعظم دیدہ مری کا بیان ملاحظہ ہو۔

"مرزا داراب بیگ جویا پسر ملا سامریست صاحب سخن و معانی یاب بود و در فن سخن پردازی تبع مرزا صائب می نمود با محمد سعید اشرف و ملا علی رضای تجلی صحبت داشتہ این ہر دو شاعر مذکور مشہور ہمراہ ابراہیم خان بنوبت در کشمیر در آمدہ و از استادان او بودند مرزا داراب از شعرای عہد خود امتیاز داشت و صاحب دیوان فصاحت بیان است، درین وقت این چند بیت از حافظہ بر صفحہ تحریر بر آمد قطعہ .... مرتبۂ آخر کہ ابراہیم خان ناظم بود قرب بسیار داشت مرزا داراب در شہور سنہ ہزار و یکصد و ہژدہ سفر گزین عالم آخرت شد چون در مرتبہ بعض اکابر اہل سنت و جماعت بحتمل گوئی شوخی کردہ چنین گفت بیت ؎

برسرش گل باد گر زد آتشین
بر تنش نازہ نہنم نور بار

در ہنگام رحلت مرزا بعض شعرای سنیۂ ہم در تاریخ وفاتش جواب دہ شدند چنین شوخی کردند: تاریخ

رافضی تاریخ جویا بیست و سفتش بود کم
چونکہ گز کردند او را گشت تاریخش درست

ہر چہ عوض دارد گلہ ندارد ——— کامران بیگ جویا برادر مرزا داراب جویا است، مشہور است کہ شاعری از ایران آمدہ بود۔ کامران بیگ بی ادبانہ باو برخورد آن شاعر طاقت نیاوردہ گفت کہ لعنت بر آن سامری کہ مثل تو گوسالہ را گویا کردہ است دیگری در صحبت این ہردو برادر وارد شدہ از تخلص ہر دو پرسید یکی گفت جویا و دیگری گفت گویا فرمود کہ تخلص طالب کلیم را ہردو برادر خوب تقسیم کردہ برو یدزادہ کامران بیگ است (واقعات کشمیر ص ۲۹۲)

۱۶؎ تذکرہ سفینہ خوشگو ص ۲۲۴ میں آیا ہے کہ "مرزا گرامی استاد پانصد کس بود"

۱۷؎ تذکرہ روز روشن میں ص ۲۹ پر لکھا ہے کہ "خود اچل داس کھتری شاگرد بود"

۱۸؎ نصاب واصل کشمیری قلمی نسخہ کل اوراق ۳۵ ایکسیشن نمبر ۵۳۲۴ کتابخانہ تحقیق کلچرل اکیڈیمی سرینگر

۱۹؎ نصاب واصل ص ۱ شمارہ ۵۳۲۴ قلمی۔

۲۰؎ نصاب واصل قلمی ص ۲

ایضاً ص ۳۷ تا ۳۸

ایضاً ص ....

ایضاً ....

۲۱؎ واصل کے دیوان کا یہ نسخہ آبخوردہ ہے اور بعض مقامات پر الفاظ و حروف منہدم ہو چکے ہیں جو کہ پڑھے نہیں جا سکتے اور اس پوری غزل کے مصرعہ ثانی کا نصف آخر اسی صورت میں ہے چنانچہ استناد دیوان کے طور پر یہ غزل اسی صورت میں نقل کی گئی

Scanned by CamScanner

۲۲ھ "جنست" کی جگہ "زلفت" ہوتا تو زیادہ مناسب تھا.
۲۳ھ غالباً حضرت غوث پاک رضؓ کی طرف اشارہ ہے.
۲۴ھ حاشیہ پر "از کہ" کی جگہ "از چہ" لکھا ہوا ہے اور وزن و معنی کے لحاظ سے دونوں درست ہیں
۲۵ھ "اس مصرعہ کا تکرار ہے"

Scanned by CamScanner